مطبوعات و سہ ماہی مطبوعات ایقاظ کے لئے وزٹ کریں http://www.eeqaz.com


# مُستعار

## درس نظامی۔۔ماضی، حال اور مستقبل

پروفیسر محمد اسحاق علوی

مغل بادشاہوں اکبر، شاہ جہاں اور عالم گیر کے عہد میں جن علماء نے علوم کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دیں ان میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، حکیم فتح اللہ شیرازی، عبدالسلام لاہوری، ملا قطب الدین سہالوی اور ان کے فرزند ملا نظام الدین قابل ذکر تھے۔ کہا جاتا ہے برصغیر ہند میں ''درس نظامی'' کا نصاب جو آج پاک و ہند کے دینی مدارس میں رائج ہے، ملا نظام الدین ہی نے مرتب کیا تھا۔ تاہم کچھ مورخین اور محققین کی رائے میں درس نظامی کو ملا نظام الدین سے منسوب کرنا درست نہیں، بلکہ یہ نصاب حکیم فتح اللہ شیرازی نے ترتیب دیا تھا؛ کیوں کہ ملا نظام الدین ان اہل اللہ میں سے تھے جن کے نزدیک اصل اہمیت ''تزکیہ نفس'' کو حاصل ہے، نہ کہ محض ظاہری علوم کو۔ اگر انہوں نے درس نظامی کا نصاب ترتیب دیا ہوتا تو وہ ضرور اس میں تزکیہ نفس، تقویٰ یا کردار سازی کی تعلیم و تربیت کو مناسب اہمیت دیتے۔ جب کہ موجودہ درس نظامی ان سب چیزوں سے ''پاک'' ہے۔ قران و حدیث کی تعلیمات سے یہ نصاب بڑی حد تک محروم ہے۔ درس نظامی کے مرتب ملا نظام الدین اس لیے بھی نہیں ہو سکتے کہ ان کی علمی میراث کے وارث ملا بحرالعلوم ہوئے، ان ہی سے خیر آباد کا علمی خاندان چلا۔ اسی چشمۂ صافی سے شاہ عبدالرحیم دہلوی اور ان کے فرزند شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی سیراب ہوئے۔ لہذا وہ نصابِ تعلیم جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ترتیب دیا تھا، ملا نظام الدین کی فکر سے بہت زیادہ مطابقت رکھتا تھا۔

### شاہ ولی اللہؒ۔ فکر جدید کے بانی:

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مرتب کردہ نصاب میں قران اور سیرت النبی کو بنیادی اہمیت دی گئی تھی۔ انہوں نے یونانیوں کی نام نہاد معقولات، فلسفہ و منطق کو مسترد کر کے حقیقی دینی علوم کے فروغ کی ایک جامع سکیم تیار کی تھی۔ شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ ''قران کریم اور سیرت ہی تمام علوم کی بنیاد اور اصل سرچشمہ ہے جو انسان کی روحانی اور مادی ترقی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ان ہی سے وہ بصیرت پیدا ہو سکتی ہے، جو دنیاوی امامت و قیادت کے لیے بھی ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے نصاب میں عربی زبان کو بنیادی اہمیت دی تھی کیوں کہ عربی قران فہمی اور سیرت النبیؐ سے فیض حاصل کرنے کی کلید ہے۔ المیہ یہ ہے کہ درس نظامی کی شکل میں نہ صرف ملا نظام الدین اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی فکر سے بالکل متضاد نصاب مروج ہو گیا، بلکہ اس میں عربی زبان کی اہمیت بھی ختم کر دی گئی ہے۔ اس نصاب کے ''علماء و فضلا'' عربی لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں اصل اہمیت یونانیوں کے باطل اور فرسودہ فلسفے اور منطق کو حاصل ہے یا کچھ فقہی کتابوں اور علم کلام کی موشگافیوں کو۔ حالانکہ قران کریم اور سیرت النبیؐ کردار سازی یا تزکیۂ نفس کے بنیادی مآخذ ہیں، جب کہ موجودہ درس نظامی میں قران کی تعلیم برائے نام ہے اور سیرت النبیؐ داخل نصاب ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

http://www.eeqaz.com مطبوعات و سہ ماہی مطبوعات ایقاظ کے لئے وزٹ کریں


درس نظامی سے فراغت حاصل کرنے والے تزکیۂ نفس، روحانی بالیدگی، اعلیٰ اخلاق، بلند کردار اور بصیرت سے محروم ہوتے ہیں۔اس کی عملی مثالیں تاریخ میں بھی رقم ہیں اور موجودہ دور میں بھی بہت واضح اور نمایاں ہیں۔مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ظاہری علوم کے ساتھ باطنی پاکیزگی اور روحانی ترقی کے بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔درسِ نظامی کے بارے میں ''تذکرۃ الرشید'' میں ہے کہ منطق وفلسفے کے ساتھ مولانا گنگوہی کا تنفر عداوت کے درجے تک پہنچا ہوا تھا۔ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا ''میرا جو مرید اور شاگرد فلسفے سے شغل رکھے گا وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں ہے۔''

درس نظامی میں شامل یونانی فلسفہ ومنطق کے بارے میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کی رائے بھی قابل توجہ ہے:

''علمِ کلام وفقہ کا استاد صَرف ونحو کے استاد سے بہتر ہے اور صرف ونحو کا استاد فلسفے کے علوم کے استاد سے بہتر ہے کیونکہ فلسفے کی علوم سے کوئی نسبت نہیں۔اس کے اکثر مسائل بے مقصد، لاحاصل بلکہ باطل ہیں۔اس کے پڑھنے والے جہل مرکب کا شکار ہو جاتے ہیں۔''

**خودرو اور سیکولر نصاب:**

درس نظامی کا تجزیہ شاہ سلیمان سجادہ نشین پھلواری شریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''درس نظامی ایک خودرو نظام تعلیم ہے اس درس کو حضرت قبلہ ملا نظام الدینؒ کا درس کہنا سراسر گستاخی اور بے ادبی ہے۔حضرت ملا صاحبؒ نے نہ یہ موجودہ کتابیں پڑھائیں نہ ہی اکثر کتابیں ان کے وقت میں تالیف ہوئی تھیں۔کچھ تو بعضے اساتذہ نے اپنے مذاق کے موافق کتابیں پڑھائیں اور کچھ طالب علموں کے مذاق نے اضافہ کیا۔حضرت ملا صاحبؒ کا دامن اس سے پاک ہے۔حضرت ملا صاحبؒ صوفی صافی عالی مشرب تھے، اگر وہ اس نظام کو درست فرماتے تو باطنی پاکیزگی یا اخلاق کی کوئی کتاب اس میں ضرور داخل کرتے۔''
(بحوالہ رودِ کوثر)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تاریخ کے مطالعے کو ''تذکیر بایام اللہ'' سے تعبیر کیا ہے، جسے وہ قرآن کے پانچ علوم میں سے ایک علم سمجھتے ہیں۔مسلمانوں کے حکمران طبقے اور نام نہاد مذہبی گروہ جسے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے سے کوئی غرض نہیں، جدید علوم تو کیا یہ پرانے علوم کے بھی دشمن ہیں۔حد یہ ہے کہ درس نظامی میں مسلمانوں کی تاریخ بھی شامل نہیں۔

**قرآن وسنت سے دوری:**

حال ہی میں ایک ایسے ہی علامہ نے ایک ٹی وی ٹاک شو میں ارشاد فرمایا ''قران میں وعدہ وفا کرنے کا کوئی ذکر نہیں، اس کے لیے حضرت جبرائیلؑ کو دوبارہ بھیرا لگانا پڑے گا۔'' حالانکہ قران کریم کی متعدد آیات میں وعدہ پورا کرنے کی تاکید بھی موجود ہے اور وعدے کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت سزا بھی رکھی ہوئی ہے۔سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔''وعدہ پورا کرو، اس کے بارے میں تم سے باز پرس ہوگی۔'' سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں ارشاد ہوا: ''حقیقی مؤمن وہی ہیں کہ عہد کر کے پورا کرتے ہیں۔''

یہ بھی ایک اہم سوال ہے کہ درس نظامی سے فارغ ہونے والوں کو قرانی آیات کیوں یاد نہیں رہتیں؟ اس لیے کہ اس نصاب میں قران فہمی کو بنیادی اہمیت ہی نہیں دی گئی ہے۔درس نظامی کے نظام ونصاب کو لادینی (Secular) قرار دینا بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے، لیکن عملی جانچ سے پتہ چلتا ہے کہ درس نظامی ہر اعتبار سے لادینی نصاب ہے جو ماضی کے لادین حکمرانوں نے محض حکومتی تقاضوں کو پورا کرنے اور سرکاری کلرک وغیرہ تیار کرنے کے لیے وضع کیا تھا۔اس کی ایک واضح شہادت یہ ہے کہ اس نصاب میں قران وحدیث کا جو حصہ شامل ہے وہ اس سے بھی کہیں کم ہے جتنا کہ موجودہ لادین تعلیمی نصاب میں شامل ہے۔سورۃ الانفال اور سورۂ احزاب کا ترجمہ اور تفسیر میٹرک کے نصاب میں شامل ہے۔اسلام کے بنیادی عقائد، ارکان اسلام کی تشریح وتفصیل، ۱۰ آیات اور ۱۰ احادیث کی تشریح

ایف اے کے نصاب میں شامل ہے۔اس کے برعکس درس نظامی میں صرف سورۂ بقرہ کی تفسیر بیضاوی شامل ہے' وہ بھی صرف برکت کے لیے۔اس کے بالالتزام اور تحقیقی مطالعے سے درس نظامی کے مدرسین اور طلبہ دونوں ہی محروم رہتے ہیں۔

حدیث نبویؐ کے ساتھ درس نظامی میں جو سلوک کیا جاتا ہے وہ بھی نہایت افسوس ناک ہے۔ان مدارس میں حدیث کا مطالعہ نہیں بلکہ محض ''دورہ'' کرایا جاتا ہے۔حدیث صرف آخری برس میں پڑھائی جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ حدیث کی دس کتابوں کی تبرکاً ورق گردانی کے بعد سند فضیلت عطا کر دی جاتی ہے۔ایک برس میں ساری کتابوں کا پڑھنا ممکن ہی نہیں، حدیث کی دس کتب میں سے ہر کتاب جہازی سائز کے کم از کم سات سو صفحات پر مشتمل ہے؛ جب کہ ''دورہ'' کا دورانیہ صرف نو ماہ کا رکھا گیا ہے۔اتنے دنوں میں تو حدیث کی ان کتب کی ورق گردانی بھی ممکن نہیں۔درس نظامی کے مدرسین بالعموم اور حدیث کے اساتذہ بالخصوص فروعی اور فرقہ وارانہ مسائل کی تفصیلات میں تو پوری توانائی خرچ کرتے ہیں لیکن اسلام کی بنیادی تعلیمات' اس کے آفاقی اصول' اس کے اجتماعی نظام اور اس کی روح کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔راقم الحروف کو بخوبی یاد ہے کہ ''بخاری'' کے درس کے دوران شیخ الحدیث صاحب نے ''رفع یدین'' کے رد میں ۱۶ دن تک دھواں دار بحث فرمائی' لیکن بخاری شریف میں مزارعت' تجارت' معاملات' جہاد اور معاشرتی مباحث شروع ہوئے' تو ایک طالب علم صرف عبارت پڑھتا جاتا تھا اور حضرت شیخ الحدیث آنکھیں بند کر کے سن لیتے تھے یا اگر نیند کا غلبہ ہوتا تو تکیہ لگا کر آرام بھی فرما لیتے تھے۔ان حقائق سے یہ امر واضح کرنا مقصود ہے کہ مدارس میں پڑھایا جانے والا نصاب دین کے اصل ماخذ...قران وحدیث سے کس قدر عاری ہے۔وہ نصاب جس میں قرآن وسنت کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ ہی شامل نہ ہو' وہ کیسے دینی نصاب کہلا سکتا ہے!

### مردہ لاشیں اٹھانے والے:

کمیونسٹ انقلاب سے پہلے وسط ایشیا کی ریاستوں میں بھی قران وحدیث پڑھنے کا رواج نہ تھا۔اس کے بجائے وہاں کا 'مدرسہ' یونانی فلسفہ ومنطق کے خبط میں مبتلا اور فقہی لاف زنیوں اور موشگافیوں میں غرق تھا۔فلسفہ ومنطق کی ان مردہ لاشوں نے نئی نسل کو قران وحدیث اور سیرت النبیؐ کے چشمۂ صافی سے محروم رکھا۔اس کے نتیجے میں علم کی حقیقی وپختہ بنیادیں مسمار ہو گئیں اور اخلاق وکردار ناپید ہوتا چلا گیا۔اس کی کوکھ سے علمائے سوء کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوئی جس نے دین فروشی اور فتویٰ فروشی سے زر وجواہر تو خوب سمیٹے مگر دین کے لیے بدنامی کے سوا کچھ کما نہ سکے۔اب سوال یہ ہے ان لوگوں کو آج بھی مردہ لاشیں اٹھانے کا شوق اور زندہ علوم سے نفرت کیوں ہے؟ جواب بہت سادہ ہے' اللہ کے رسولؐ نے جن نفوس کا تزکیہ فرما کر انہیں دنیا کا امام بنایا' دنیا کی روحانی' اخلاقی اور تہذیبی قیادت کا اہل بنایا' ان کی تعلیم وتربیت کی بنیاد قرانی تعلیمات اور اسوۂ رسول تھی۔سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت ان ہی بنیادوں پر تعمیر ہوئی تھی جب کہ درس نظامی ان بنیادوں سے محروم ہے۔تزکیہ نفس اور کردار سازی کے اصل ذرائع سے محروم رہ جانے والے لوگوں سے خدا پرستی' حقیقت بینی' اور باطنی بصیرت کی نعمت اللہ تعالیٰ چھین لیتا ہے اور ان میں بے شمار دوسری ''پرستیوں'' کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ان میں بت پرستی' زر پرستی' دنیا پرستی اور اسلاف پرستی جیسی مہلک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

قرآن کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام تعلیم وتربیت چار ستونوں پر کھڑا ہے۔سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹ اور آیت ۱۵۱ سورۂ آل عمران آیت ۱۶۴ اور سورۂ جمعہ آیت ۲ میں اسلام کے اس نصاب کا تذکرہ ان ہی چار عنوانات کے تحت کیا گیا ہے: ''درحقیقت اہل ایمان پر اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو....اس کی آیات انہیں سناتا ہے...ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے....ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور....ان کو حکمت سکھاتا ہے (آل عمران۔۱۶۴)''۔تعلیم وتربیت کی ان ہی چار بنیادوں سے درس نظامی کو محروم رکھا گیا ہے کہ جن کے بغیر قرآن کی رو سے انسان ''کھلی گمراہی میں پڑا ہوا تھا''۔آیئے ایک

http://www.eeqaz.com مطبوعات و سہ ماہی مطبوعات ایقاظ کے لئے وزٹ کریں


نظر قرآنی نصاب کے چار بنیادی ارکان پر ڈالیں اور پھر درس نظامی کے نصاب کا جائزہ لیں:

۱۔ تلاوت آیات

۲۔ تعلیم کتاب

۳۔ تعلیم حکمت

۴۔ تزکیہ

درس نظامی میں یہ چاروں اجزاء کہاں نظر آتے ہیں؟ تلاوت آیات کا تقاضا کسی حد تک تحفیظ کے اداروں میں نبھایا جاتا ہے، جن کا درس نظامی سے کوئی واسطہ نہیں۔ درس نظامی کے مدارس میں آپ کو تلاوت آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ اس کے برعکس اکابر پرستی اور ماضی کے فرسودہ خیالات ومردہ افکار کی یلغار دکھائی دیتی ہے۔ ان مردہ افکار میں یونانی فلسفے اور منطق کو مرکزیت حاصل ہے۔ ان ہی فرسودہ خیالات اور مردہ علوم نے مسلمانوں کو بھی مردہ بنا دیا ہے اور اندھی تقلید ان کا جزو ایمان بن گئی ہے۔ جمود وتعطل کا گھن ان کی ذہنی صلاحیتوں کو چاٹ گیا' ضد اور ہٹ دھرمی ان کا قومی نشان بن گئی۔ ماضی پر اترانا اور حال و مستقبل سے آنکھیں بند کر کے زندگی گزارنا نیکی' تقویٰ اور بزرگی کی علامت ٹھہرا۔ سقوط بغداد سے لے کر سقوط اسپین تک اور ترکی میں خلافت عثمانیہ کے زوال سے سقوط ڈھاکہ تک مسلمانوں پر جتنی قیامتیں بھی ٹوٹیں' اس کی بڑی ذمے داری ان ہی لاش برداروں' عقل کے دشمنوں اور قرآن وحدیث سے انحراف کرنے والوں پر عاید ہوتی ہے۔

## دو انتہاؤں کے بیچ کی جماعت

شاہ ولی اللہؒ' مجدد الف ثانی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس اکابر پرست گروہ کو مسلمانوں کے ایمان وکردار کی کمزوری' علمی پس ماندگی' معاشی زبوں حالی اور سیاسی عدم استحکام کا ذمے دار ٹھہرایا ہے۔ مولانا ابوالکلام جدید ترکی کے دین سے بے زار ہونے کی وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مغربی تمدن کی اشاعت نے مشرق میں سخت کشمکش پیدا کر دی ہے۔ ایک طرف قدیم افکار ہیں' دوسری طرف جدید اصول' یہی کشمکش عالم اسلام میں بھی جاری ہے۔ اس سے تین جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک جماعت قدیم سکول کی ہے جو اپنے تمام تقلیدی رسومات وخیالات پر سختی کے ساتھ جمی ہوئی ہے' کسی طرح کی لچک اور حرکت اس میں نہیں پائی جاتی۔ دوسری جماعت نئی نسل کی ہے۔ اس نے مغربی تمدن کی ہوا میں پرورش پائی ہے' لیکن اسلامی تعلیم وآداب سے بے بہرہ ہے' وہ متعصب اور جامد علماء اور عوام الناس کے عقائد ورسوم کو ہی اسلام سمجھتی ہے اور انہیں ترقی میں مانع دیکھ کر متوحش اور مضطرب ہو گئی ہے۔ تیسری جماعت معتدل فکر ونظر کی ہے' یہ ان دونوں کناروں کے وسط میں ہے۔ یہ نہ پہلی جماعت کی طرح تقلید میں جمی ہوئی ہے' نہ دوسری کی طرح مغربی سیلاب میں بہہ گئی ہے۔ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ مغربی تمدن کی تمام خوبیاں حاصل کی جا سکتی ہیں' بغیر اس کے کہ اسلام کی حقیقی اور خالص روح کو نقصان پہنچایا جائے۔ بدقسمتی سے ترکی میں صرف پہلی دو جماعتیں پائی جاتی ہیں' تیسری جماعت مفقود ہے' میرے خیال میں ساری دقتیں اور مشکلات اسی کا نتیجہ ہیں۔'' (تبرکاتِ آزاد، مرتبہ غلام رسول مہر)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک امت مسلمہ کا بگاڑ' فساد اور زوال کا بنیادی سبب قرآنی تعلیمات سے انحراف اور سنت کا ترک کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی قرآنی تعلیمات کو پھیلانے اور حدیث نبویؐ کی اشاعت کے لیے وقف کیے رکھی۔ ان کے چار فرزندوں شاہ عبدالعزیزؒ' شاہ رفیع الدینؒ' شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالغنیؒ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک مجاہدین نے اسی عظیم تحریک کی اپنے پاک لہو سے آبیاری کی۔ دارالعلوم دیوبند کے بزرگوں میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن نے

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریک ''رجوع الی القران'' کو دوبارہ زندہ کیا۔ مالٹا میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے کے بعد رہا ہوئے تو دق جیسے مہلک مرض میں مبتلا تھے۔ اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:

''میں جیل کی تنہائیوں میں غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کا حقیقی اور اصل سبب قرآن کریم کی تعلیمات سے انحراف ہے۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ زندگی کے باقی ماندہ ایام میں دیہات میں قرآنی مدارس قائم کروں گا جہاں بچوں کو ناظرہ قرآن کی تعلیم دی جائے گی اور نوجوانوں کے لیے قرآن کے ترجمے اور تفسیر کا نصاب مرتب کروں گا۔''

## پس چہ باید کرد؟:

درس نظامی کے منتظمین نے نہ اسلامی علوم کے اصل سرچشموں' قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا' آج امت مسلمہ اسی جرم کی سزا بھگت رہی ہے۔ کم و بیش تین صدیوں سے سامراجی طاقتوں کی غلامی میں جکڑی ہوئی ہے۔ اسلامی ممالک وسائل سے معمور ہونے کے باوجود اذیت ناک غربت و افلاس کے عفریت کے پنجوں میں دبے ہوئے کراہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا تھا کہ انہوں نے جب احکام خداوندی سے روگردانی کی تو ان پر غربت' مسکنت' ذلت و رسوائی کا عذاب مسلط کر دیا گیا۔ آج امت مسلمہ اسی آیت کی مصداق بن چکی ہے۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک برصغیر ہند کے مسلمانوں کی گردنوں میں صرف ایک سامراجی طاقت کا طوقِ غلامی پڑا ہوا تھا۔ آج تین سامراجی طاقتوں نے بیک وقت پاکستان کو اپنے قدموں میں گرا کر دبوچ رکھا ہے۔ اس صورت حال کی بڑی ذمے داری مردہ علوم کی لاشیں اٹھانے والے علماء سو پر عاید ہوتی ہے۔ انہیں خود سے پوچھنا چاہیے کہ ان کے دعوے کے مطابق پاکستان میں ان کی تعداد لاکھوں میں ہے، تو ان بحرانوں میں امت کی ان لاکھوں ''علماء'' سے کیا امید پوری ہوئی؟ ان سے کیا گلہ کریں کہ مردہ علوم مردہ ضمیر ہی کو جنم دے سکتے ہیں۔ انہیں ہنر ہی یہ سکھایا گیا ہے کہ اسلام کا نام لے کر پیٹ کے دھندے میں مصروف رہیں اور دین کی بدنامی کا سبب بنتے رہیں۔ ان کے بوسیدہ نظام تعلیم و تربیت سے نجات کی ایک ہی صورت ہے کہ درس نظامی کی سیکولر بنیادیں منہدم کر کے دینی نصاب کو ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں نئے سرے سے مرتب کیا جائے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ، شیخ الہندؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی روشن فکر کے مطابق ہو اور ان کے علمی ذخیرے سے استفادے پر مبنی ہو۔ منطق و فلسفے کے مردہ پشتارے کو دریا برد کر کے نئے نصاب میں دین کے اصل ماخذ قرآن' حدیث نبویؐ' سیرت رسولؐ عربی ادب اور عربی قواعد کی کتب شامل کی جائیں۔ کیوں کہ قرآن ہی وہ کتاب ہے' جس کے سمجھنے سے ایمان نکھرتا اور بڑھتا ہے، سیرت و کردار میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے' جس سے حکمت و دانش کی راہیں کھلتی ہیں' اظہار و بیان کے نئے اسلوب سامنے آتے ہیں اور آفاق و انفس کے دلائل سے دین کی ابدی سچائیوں کو ثابت کرنے کی صلاحیتیں فروغ پاتی ہیں' جس سے ایمان کی روشنی پھیلتی اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں۔ قرآن کریم کا نور عام کرنے کی ضرورت ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ جہادِ کشمیر، بابت ماہِ اگست ۲۰۰۹ء)

# ٹیلی وژن دوست یا دشمن؟

شاہد رشید

ہم ٹیلی وژن کیوں دیکھتے ہیں؟

کیوں کہ ٹیلی وژن بدلتی دنیا کے نو بہ نو واقعات اور حادثات کی تفصیل ہم تک پہنچانے کا ایک مستند ذریعہ ہے۔

کیوں کہ یہ ہمارے علم میں اضافے کا باعث ہے۔

کیوں کہ یہ افسردہ طبیعت اور شکستہ دل کے لیے سامانِ راحت فراہم کرتا ہے۔

یہ سب درست لیکن یہ تو بتایئے کہ ہم ان مقاصد کے حصول کے لیے واقعی سنجیدہ ہیں۔ جن کی تکمیل ہم ٹیلی وژن کے ذریعے چاہتے ہیں۔ یعنی کیا واقعی ہم بدلتی دنیا کے مسائل اور ایشوز (Issues) کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ وابستہ ہیں؟ کیا ہم واقعی علم کے اضافے کی سچی لگن کے ساتھ بے قرار ہیں؟ کیا ہم واقعی طبیعت کا اطمینان اور دلوں کا قرار ڈھونڈنے کے آرزو مند ہیں؟

ان سوالوں کا دیانت سے سامنا کیا جائے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے ٹیلی وژن دیکھنے کے پسِ پردہ کسی اعلیٰ قدر کا حصول کارفرما نہیں۔ اکثر لوگ ٹیلی وژن صرف اس لیے دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک عدد ٹی وی سیٹ ہے اور بس۔ وہ شام کو اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر محض عادتاً اور بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے ٹیلی وژن آن کر دیتے ہیں اور اپنے دل و دماغ اس وقت کے حوالے کر دیتے ہیں جس سے وہ زیادہ واقفیت نہیں رکھتے۔

اس وقت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم جدید ریاست اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اغراض و مقاصد سے آگاہی حاصل کریں۔ ہم ایسے دور میں زندہ ہیں جہاں ریاست استبدادی (Totalitarian) بن چکی ہے۔ جدید ریاستی استبداد کے سامنے فرد کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ ریاست کے اس جبر کا آغاز نام نہاد جمہوری دور سے ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کی جمہوری ریاست اپنی بیوروکریسی اور خفیہ ایجنسیوں سمیت ماضی کی بادشاہتوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ فرد پر اس کا کنٹرول ہمہ جہت ہے۔ آج کی ریاست فرد کی تعلیم، صحت، روزگار کے انتخاب، خیالات حتیٰ کہ احساسات پر فیصلہ کن انداز میں اثر انداز ہوتی ہے۔

جدید ریاست کو عوام النّاس پر اثر انداز ہونے کی یہ زبردست طاقت دراصل ذرائع ابلاغ کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ذرائع ابلاغ سے وابستہ ماہرین جانتے ہیں کہ لوگوں کی نفسیات کو کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا ذہن کیسے کام کرتا ہے، تاثرات کو کیسے قبول کرتا ہے۔ انسان کی قوتِ عمل کو کیسے بڑھایا یا گھٹایا جا سکتا ہے۔ رائے (Opinion) کے پسِ پردہ کارفرما مفروضات (Assumptions) کو کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مختصراً لوگوں کو ذہنی، جذباتی بلکہ روحانی طور پر کیسے بدلا جا سکتا ہے اور اس طرح لوگوں کے ذہنوں، جسموں اور جذبوں سے کس طرح زیادہ سے زیادہ کام لیا جا سکتا ہے۔ اس ذہنی اور جذباتی استحصال کے لیے ذرائع ابلاغ اور خاص طور پر ٹیلی وژن سب سے مؤثر ذریعہ ثابت ہوا ہے۔

C.Wrigh Mills ایک ماہر سماجیات تھا۔ اس نے جدید معاشرے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ دنیا پر ایک پاور ایلیٹ (Power Elite) حکومت کر رہی ہے۔ یہ پاور ایلیٹ بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں، بینکوں اور خفیہ ایجنسیوں پر مشتمل ہے۔ یہ طے کرتی ہے کہ کن سیاسی جماعتوں کو اقتدار منتقل کرنا چاہیے۔ سیاسی جماعتوں کے ایجنڈے کیا ہونا چاہئیں۔ کون سی شخصیات کو ہر دل عزیز بنایا جائے۔ یہ سب تبدیلیاں بڑے پیمانے پر ظاہر ہوتی ہیں لیکن ان کی جڑیں نیچے ہوتی ہیں کیوں کہ عام آدمی کی سوچ اور اس کے جذبات کا رخ ہی دراصل اجتماعی تاریخ کی سمت متعین کرتا ہے۔ اس نکتے کو پاور ایلیٹ نے خوب سمجھ لیا ہے۔ وہ جان گئے ہیں کہ ریاست کی سطح پر بڑی تبدیلیاں زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہو سکتیں جب تک ایک عام آدمی کی سوچ پر کنٹرول حاصل نہ کر لیا جائے لہٰذا اس مقتدر طبقے نے یہ طے کرنے کی منصوبہ بندی کی کہ ایک عام آدمی نے کیا سوچنا ہے؟ اور کتنا سوچنا ہے؟

معاشرے میں بسنے والے کروڑوں افراد کی سوچوں اور جذبوں کو ایک سانچے میں ڈھالنا آسان کام نہ تھا۔ یہ کام

فرعون بھی نہ کر سکا تھا۔ بادشاہت کا وہ زمانہ جس کے ظلم واستبداد کے قصّے معروف ہیں، معاشرے میں بسنے والے افراد کے دل ودماغ پر قابو پانے میں ناکام رہا تھا۔ لیکن تاریخ کی منطق عجیب ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عوام کے دل ودماغ کو اس عہد میں پابہ زنجیر کیا گیا جو سلطانی جمہور کا زمانہ کہلاتا ہے۔ عوامی ذرائع ابلاغ کی ایجاد نے عوام کے دل ودماغ کو مسخر کرنے کا آسان نسخہ فراہم کیا۔

کیا کبھی آپ نے یوں بھی غور کیا ہے کہ آپ کا دھڑکتا دل، جو آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز ہے اور آپ کا دماغ جو پیچیدہ ترین مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، قدرت کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہیں۔ کیا آپ ہر ایرے غیرے کو یہ اجازت دیں گے کہ آپ کے حساس دل کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے اور آپ کے ذہن میں کسی بھی طرح کے خیالات ڈال دے اور قدرت کے ان بیش بہا خزانوں تک آپ کی اپنی رسائی ختم ہو جائے۔

جو شخص روزانہ ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے، اس کا اپنے احساسات اور اپنے اعصاب پر سے کنٹرول نہایت کمزور ہو چکا ہے۔ آخر آپ اپنے اوپر ایک ایسی قوت کو اختیار دینے پر کیوں آمادہ ہیں جو باطل کی آلہ کار ہے؟ کیا آپ اپنے انتہائی خطرناک دشمن کو اپنے گھر میں مستقل قیام کی اجازت دیں گے؟ آپ سانپوں سے دوستی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ مستقل ٹی وی دیکھنے والے افراد تھوڑی سی تفریح کی خاطر اپنے دل ودماغ ایسی طاقت کے حوالے کر دیتے ہیں جو ان کی خیر خواہ نہیں، جو انہیں ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے۔ فلموں، ڈراموں اور اشتہاروں کی دنیا ایک دھوکا ہے۔ میڈیا کی صنعت پر ملٹی نیشنل کمپنیوں اور انسانیت دشمن سرمایہ داروں کا قبضہ ہے جن کا واحد مقصد لامحدود دولت اور طاقت کا حصول ہے۔ یہ مسجودِ ملائک انسان کو حیوانِ صارف بنانا چاہتے ہیں، اس سے اس کا نصب العین چھین لینا چاہتے ہیں۔ اسے نفسیاتی خواہشات کا غلام بنا دینا چاہتے ہیں۔ دین کی اعلیٰ قدروں اور انسانیت کے محسن پیغمبروں کا مذاق اڑانا، ایثار اور انکسار کی بجائے خود غرضی اور نفسانیت کے جذبات کو فروغ دینا، غلط منطق اور سچ اور جھوٹ کی آمیزش سے لوگوں کے ذہنوں کو کنفیوژ کرنا، لوگوں کو سطحی اور بے معنی سرگرمیوں میں الجھا کر زندگی کے نصب العین سے دور کرنا، جھوٹی اور مصنوعی خواہشات پیدا کر کے انہیں خواہشات کی تسکین کی ایک مشین بنا دینا، سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ان کے ذہنوں کو نام نہاد مفکرین اور ماہرین کے مصنوعی خیالات کی تکرار سے اس طرح ماؤف کر دینا کہ دین کی اعلیٰ قدروں سے ان کا اعتبار ہی ختم ہو جائے، یہ سب کچھ پاور ایلیٹ کا مشن ہے اور اس کے پاس اس مشن کو پورا کرنے کا سب سے طاقتور ذریعہ ٹیلی وژن ہے۔

ٹیلی وژن کے پروگرام جس قسم کی قدروں کو فروغ دیتے ہیں وہ بنیادی طور پر لادینی ہیں۔ عورت اور مرد کا آزادانہ اختلاط اور مختلف طریقوں سے عورت کی نمائش کے ذریعے جنسی ہیجانات کو ابھارتے ہیں۔ ایک ہی خاندان کے افراد کے لیے بعض اوقات اکٹھے ٹی وی دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ٹیلی وژن پر آنے والے سیاسی مباحث باطل نظام ہی کی مضبوطی کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی اچھا تجزیہ نگار آ ہی جائے تو اس کی آواز بہت ساری باطل آوازوں میں پست ہو جاتی ہے ہر شخص اس قابل نہیں ہو سکتا کہ سچ اور جھوٹ کو الگ الگ کر سکے۔ بھانت بھانت کی بولیاں سن کر عام آدمی کا ہر طرح سچائی پر سے اعتماد ہی اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنی ذات کے خول میں قید ہو جاتا ہے۔ یہی صورتحال مذہبی موضوعات پر مبنی پروگراموں کی ہے۔ آزاد مکالمے کے نام پر ہونے والے ان پروگراموں میں مذہبی صداقت لوگوں کی نظروں میں مشتبہ کر دی جاتی ہے۔

یوں تو ٹیلی وژن پروگرام ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگوں کو اپنا ہدف بناتا ہے لیکن بچے خاص طور پر اس کا شکار ہوتے ہیں۔ بچوں کو عام طور پر مکتب اور کتاب کی دنیا سے بہت پہلے ٹیلی وژن کی دنیا سے متعارف کرا دیا جاتا ہے۔ بچے حقیقی دنیا اور ٹی وی پر دکھائی

جانے والی دنیا میں فرق نہیں کرتے۔ ایک تحقیق کے مطابق آٹھ سال تک کے بچے یہ نہیں سمجھتے کہ کمرشل کا مطلب کوئی شے فروخت کرنا ہے۔ وہ ان کمرشلز کو حقیقی سمجھتے ہیں اور کمرشلز اور خارجی دنیا کو بھی خلط ملط کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کی غذائی عادات ٹی وی ہی طے کرتا ہے۔ ٹی وی بچوں کے لیے جسمانی ورزش اور مطالعے کا بدل بن جاتا ہے۔ ٹی وی دیکھنے کے بعد ورزش کرنے اور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ لڑائیوں اور جنگوں سے بھرپور کہانیوں اور کارٹون فلموں کا بھی بچوں کے حساس ذہنوں پر منفی اثر پڑتا ہے۔

ٹی وی دیکھنے اور پرتشدد رویے (Violent Behaviour) کے مابین تعلق کے سلسلے میں ۲۰۰۲ء میں ایک تحقیقی رپورٹ شائع ہوئی۔ اس تحقیق میں نیویارک کے تقریباً ۷۰۰ خاندانوں کا سترہ سال کا تجربہ مطالعہ کیا گیا۔ یہ ایک (Longitudinal Study) تھی جس کا آغاز ۱۹۷۵ء میں ہوا۔ تحقیق کے نتائج یہ تھے کہ ابتدائی لڑکپن اور بچپن (اوسط عمر ۱۴ سال) میں ہونے والی جارحانہ اور پرتشدد کارروائیوں میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ جارحیت اور تشدد کا مظاہرہ ان بچوں نے کیا تھا جو روزانہ تین گھنٹے سے زیادہ ٹی وی دیکھتے تھے۔ اس کے بعد وہ بچے جو یومیہ ایک گھنٹے سے کم ٹی وی دیکھتے تھے۔ رپورٹ کے اختتام پر محققین نے اس تجویز کا اظہار کیا تھا کہ ذمہ دار والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو روزانہ ایک گھنٹے سے زیادہ ٹی وی دیکھنے کی اجازت دینے سے گریز کریں۔

جب ہم ٹیلی وژن دیکھتے ہیں تو لاشعوری طور پر ہمارے رویے، طرزِ زندگی، سوچنے کا انداز، گفتگو کا طریقہ، جذبات کا رُخ اور ترجیحات بدلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں جو ہمیں بدلنا چاہتے ہیں؟ ان کا ایجنڈا کیا ہے؟

کارل مارکس نے کہا تھا کہ:

" The ruling ideas are the ideas of ruling class.

یعنی حکمرانوں کے خیالات ہی خیالات کے حکمران ہوتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ ہی دراصل وہ ذریعہ ہیں جن کی بدولت حکمران اپنا جبر برقرار رکھتا ہے۔ ایسا اس لیے ممکن ہوتا ہے کہ ذرائع ابلاغ ایسے خیالات پیدا کر دیتے ہیں جو باقی تمام خیالات (Ideas) پر چھا جاتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے پیدا کردہ یہ Ruling ideas اپنی قوت استدلال میں کمزور ہونے کے باوجود دوسرے خیالات پر اس لیے غلبہ حاصل کر لیتے ہیں کیوں کہ انہیں بار بار نشر کیا جاتا ہے۔ انسانی ذہن خواہ وہ کتنا ہی تنقیدی کیوں نہ ہو، اس تکرار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان رولنگ آئیڈیاز کا تعلق زندگی کے ہر شعبے سے ہوتا ہے۔ میں کون ہوں؟ میرا دوسرے لوگوں سے کیا تعلق ہے؟ مجھے دوسرے لوگوں کی نظروں میں کیسا نظر آنا چاہیے؟ زندگی کیا چیز ہے؟ کامیابی کیا ہے؟ خوشی کیا ہے؟ اچھا کیا ہے؟ برا کیا ہے؟ ٹیلی وژن پر دکھائے جانے والے سطحی ڈرامے اور اشتہارات ان سب سوالوں کے جواب فراہم کرتے ہیں۔ اپنی مصنوعات کی فروخت کے لیے کمپنیاں مخصوص طرزِ زندگی اور رویوں کو پروان چڑھاتی ہیں اور رفتہ رفتہ یہ طرز زندگی اور رویے "نارمل" بن جاتے ہیں اور ذرائع ابلاغ کے پیدا کردہ خیالات ہی ہمارا فلسفہ زندگی بن جاتے ہیں۔ اس طرح کروڑوں لوگوں کے ذہنوں کو بدل کر انہیں غلام بنا لیا جاتا ہے اور حکمران طبقے کا جبر برقرار رہتا ہے۔ لوگ ٹیلی وژن کو اپنے گھر کے مرکزی کمرے میں رکھتے ہیں۔ وہ گھر کے ماحول پر چھا جاتا ہے۔ گویا وہ گھر اس لیے تعمیر کیا گیا ہے کہ سب لوگ بیٹھ کر ٹی وی دیکھ لیا کریں۔ یوں گمان ہوتا ہے کہ جیسے وہ گھر کا اصل حاکم ہے۔ کبھی یوں گمان ہوتا ہے جیسے وہ بت ہے اور اسے گھر کی مرکزی جگہ پر نصب کیا گیا ہے تاکہ سب لوگ اکٹھے اس کی پوجا پاٹ کر سکیں۔

باہر سے مہمان آتے ہیں۔ علیک سلیک کے بعد وہ بھی خاموشی سے اس عمل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مستقل ٹی وی دیکھنے سے انسان جسمانی اور نفسیاتی دونوں سطح پر جامد ہو جاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے خود ٹیلی وژن بینی کے عمل پر غور کر لینا کافی ہے۔ آپ تماشائی ہیں اور محض تماشائی۔ کچھ اور لوگ ہیں جو تاریخ بنا رہے ہیں، فیصلے کر رہے ہیں، جو احتجاج کر رہے ہیں، جو کھیل رہے ہیں اور آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ریموٹ کنٹرول سے چینل بدل رہے ہیں۔

آپ کا وقت، آپ کی صحت اور آپ کی روح..... ٹیلی وژن ان تینوں کی قیمت پر ہی آپ کو تفریح فراہم کرتا ہے۔ لیکن چوں کہ یہ قیمت فوراً ہی ادا نہیں کرنا پڑتی اس لیے ہم خسارہ کے اس کاروبار سے آگاہ نہیں ہو پاتے۔ جو لوگ گھنٹوں روزانہ اپنا وجود ٹیلی وژن کے سپرد کر دیتے ہیں وہ روزانہ یہ قیمت ادا کرتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے فکر و شعور اور باطن کو جلا بخشنے کے امکانات محدود تر کر دیتے ہیں۔ آپ کا دل جو آرزوؤں کا مرکز اور امنگوں کا مسکن ہے، جو صیقل ہو تو سراپا نور ہے اور جس کی تپش زندگی کی تگ و تاز میں آپ کے وجود کا واحد سہارا ہے، آپ ایسے چراغ کو یخ بستہ ہواؤں کے سپرد کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ چند مناظر اور چند رنگوں کے عوض آپ اپنی جان کا سودا کیوں کر رہے ہیں؟

کیا ٹیلی وژن دیکھنا بالکل ترک کر دینا چاہیے؟ اگر آپ ذہنی و جسمانی صحت اور سلامتی فکر و طبع کو ایک قدر سمجھتے ہیں تو ایسا ہی کرنا مناسب ہے۔ خصوصاً بچوں اور ناپختہ ذہن کے لوگوں کو تو ٹی وی سے دور ہی رکھنا چاہیے۔ بچے عام طور پر کارٹون فلموں کے عادی ہو جاتے ہیں اور گھنٹوں اسکرین کے آگے بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کے ننھے ذہن بڑی سرعت سے ٹی وی اسکرین پر آنے والے پیغامات سے اثر قبول کرتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو معیاری کہانیوں اور منتخب CDs سے روشناس کرائیں۔ ٹی وی کا عادی بنانے کی بجائے ان کے ساتھ کھیلیں، ان کے ساتھ پارک میں جائیں، ان کے ذہن کے مطابق ان سے گفتگو کریں۔ کچھ ان سے سیکھیں اور کچھ ان کو سکھائیں۔ قارئین کرام! فراغت اور صحت کی قدر کیجیے۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں وقت کی قدر و قیمت کے اظہار کے لیے عام محاورہ ہے Time is money لیکن درحقیقت یہ ہے کہ قارون کا خزانہ بھی ایک لمحے کی قیمت نہیں چکا سکتا۔ جس نے وقت کی قیمت پہچان لی وہ گویا عارف ہو گیا۔ اپنے قلب کو اللہ کی یاد سے روشن رکھنے، علم سیکھنے اور سکھانے، کائنات اور معاشرے کے مسائل پر غور و فکر کرنے اور لوگوں کے کام آنے میں ہی وقت کا بہترین استعمال ہے۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں دنیا کو ایک منڈی بنا دینا چاہتی ہیں۔ وہ خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے ملکوں کے سیاسی ڈھانچوں کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرنے کے لیے جنگ و جدل اور انسانوں کے قتلِ عام سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ نام نہاد دانشوروں اور نظامِ تعلیم کے ذریعے سوچنے والے طبقے کے خیالات پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ٹیلی وژن کے ذریعے عام آدمی کے خیالات کو خاموشی سے بدل دیتی ہیں۔ ایک ایسٹ انڈیا کمپنی نے براعظم ہندوستان کے ساتھ کیا کیا تھا؟ آج ساری انسانیت ان کمپنیوں کے نرغے میں ہے۔ یہ کارپوریشنیں آج کے بت ہیں اور تمام انسانوں کو ان کی پرستش پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ عام آدمی ان کے جال میں اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ اطمینانِ قلب اس کے لیے بھولی بسری یاد ہے۔ انسانیت کے اس زوال میں ٹی وی نے شاید سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب اخلاق اور تہذیب کا جنازہ ہر گھر میں پڑا ہے، شرافت اور انسانیت سے گری ہوئی ہر چیز کا ریکارڈ ہر گھر میں موجود ہے۔

دل، دماغ اور جسم رب کائنات کی عظیم نعمتیں ہیں۔ دل کو نورِ ایمان سے روشن کرنا، دماغ کو اعلیٰ فکر سے مزین کرنا اور جسم کو اللہ کے احکام کی بجا آوری اور انسانوں کی خدمت میں استعمال کرنا ہی انسان کا حقیقی نصب العین ہے۔ لیکن یہ اس وقت ممکن

ہے جب دل نفسانی خواہشات سے پاک ہو، دماغ بے معنی خیالات کی آماج گاہ نہ ہو اور جسم ٹیلی وژن اسکرین کے سامنے پڑا مٹی کا ڈھیر نہ ہو۔

آپ کے دل کی انگیٹھی میں اگر کوئی چنگاری موجود ہے تو اٹھیے اور ٹیلی وژن بند کر دیجیے۔ اپنی زندگی کی ڈور ٹیلی ویژن کے حوالے کرنے کی بجائے خود تھامیے۔ اپنی ترجیحات خود طے کیجیے۔ انسانیت کے عظیم معلموں کے نزدیک علم اور پاکیزگی کا حصول ہی زندگی کی ترجیح اوّل ہے۔ (بشکریہ فرائیڈے اسپیشل، روزنامہ جسارت کراچی)

## ایران ہمیشہ پاکستان مخالف کارروائیوں میں ملوث رہا ہے

سیف اللہ خالد

**ایران میں پاکستان کے سابق سفارت کار ڈاکٹر نذیر ذاکر کا چشم کشا انٹرویو:**

ایران پاکستان کی مخالفت میں بہت آگے بڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔ عبدالمالک ریگی کے پاکستان میں نہ ہونے کے ثبوت فراہم کر دیئے جانے کے باوجود معاندانہ کاروائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ تازہ ترین واردات یہ ہوئی کہ ایرانی فوج (پاسدارانِ انقلاب) کے 13 فوجی 10 کلومیٹر تک پاکستان کے علاقے میں گھس آئے۔ وہ مسلح حالت میں پاکستان میں گھوم رہے تھے کہ سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ ان کے خلاف کسی کاروائی کے بجائے انھیں واپس بھیج دیا گیا۔ ایران کا کہنا ہے کہ یہ فوجی راستہ بھول کر پاکستان آ گئے تھے۔ ایران میں دہشت گردی کون کروا سکتا ہے اور ایران کی پاکستان پر الزام تراشی کا سبب کیا ہے۔ یہ جاننے کے لیے معروف دانشور اور سابق سفارت کار ڈاکٹر نذیر ذاکر سے بات چیت کی گئی۔ ڈاکٹر نذیر 13 برس تک ایران میں اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے ہیں۔ پہلے 8 برس تہران سفارت خانے میں کلچرل اتاشی رہے بعد میں آر سی ڈی ہیڈ آفس تہران میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے اور 5 برس وہاں قیام کیا۔ وہ 1990ء سے 1993ء تک وزیر اعظم ہاؤس میں ایران ڈیسک کے کنسلٹنٹ بھی رہے۔ انھوں نے ایران پر 10 کتابیں بھی تحریر کیں جن میں سے ایک کتاب 10 جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان سے ہونے والی گفتگو پیش خدمت ہے۔

س: پاکستان اور ایران کے درمیان حالیہ تنازع کا سبب کیا ہے؟

ج: میں سب سے پہلے تو ایرانی قیادت اور ایرانی قوم کے جذبہ قومیت اور وطنیت کو سلام پیش کرتا ہوں کہ ان کے خلاف دہشت گردی کا ایک واقعہ ہوا جس پر انھوں نے فوری طور پر ایک موقف اختیار کیا اور یہ دیکھے سوچے بغیر کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا، انھوں نے پوری قوت سے اپنے موقف کا اظہار کیا۔ ان کا موقف ہمیں پسند ہے یا نہیں، وہ حقیقت سے کتنا دور ہے، یہ دوسری بات ہے۔ مگر یہ دیکھیں کہ انھوں نے پاکستان کو للکارتے ہوئے قطعی طور پر یہ نہیں سوچا کہ ایک طرف امریکہ سے ان کے تعلقات کشیدہ ہیں، ایسے میں پڑوسی ملک سے ان کے تعلقات کشیدہ ہوں گے۔ یہ ان کے جذبہ قومیت کی سچائی ہے۔

س: اس تنازع کا سبب کیا ہے۔ کیا واقعی پاکستان کے لوگ ملوث ہیں؟

ج: میں نہیں سمجھتا کہ پاکستان کی حکومت، پاکستان کے ادارے یا کچھ تنظیمیں ایران کو غیر مستحکم کرنے یا ایران کے اندر دہشت گردی کا سوچیں گے۔ پاکستان تو اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ ملک کے ایک سے دوسرے سرے تک دہشت گردی ہو رہی ہے۔ بلوچستان میں حالات کنٹرول سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک طرف بھارت سے کشیدگی ہے، دوسری طرف افغانستان سے تعلقات سب کے سامنے ہیں۔ ایسے میں پاکستان کیوں ایرانی سرحد کو بھی دشمنی میں بدلے گا۔ یہ تو اصولی اور عقلی معیار کے خلاف ہے۔ حالانکہ ایران ہر دور میں پاکستان مخالف کاروائیوں میں ملوث رہا ہے مگر پاکستان کا مزاج مختلف ہے۔ ہم لوگوں نے ہمیشہ ایران کو محترم جانا۔ ہمارے

میڈیا، ہماری سیاست میں ایران کا جو مقام ہے، ایران میں پاکستان کے بارے میں اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان سب حقائق کے باوجود پاکستان یا پاکستانی اداروں نے ایران کو کبھی اس طرح سے جواب نہیں دیا جس کا وہ مستحق ہے۔

س: ایران کا پاکستان سے پہلے بھی کوئی تنازع رہا ہے؟

ج: تنازع تو کوئی ایسا نہیں رہا لیکن ایران کا بلوچستان کے حوالے سے ایک موقف رہا ہے۔ ایران کی درسی کتابوں میں یہ بات پڑھائی جاتی ہے کہ بلوچستان ایران کا حصہ تھا، جسے انگریزوں نے زبردستی ہندوستان میں شامل کیا۔ پھر 71ء کی جنگ میں ایران نے کھل کر بلوچستان پر اپنا حق جتایا اور کاروائی کی دھمکی دی۔ اس کے علاوہ ایران پاکستان سے زیادہ بھارت کو اہمیت دیتا ہے۔

س: 65ء کی جنگ میں ایران نے پاکستان کا ساتھ دیا۔ آپ کا موقف مختلف نہیں؟

ج: 65ء میں شاہ نے ایوب کا ساتھ اگر دیا ہو تو دیا ہو، مگر عملی مدد کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ بات وعدے یا موقف کی نہیں ہے۔ آپ دیکھیں کے 74ء میں ایٹمی دھماکے کے بعد ایران نے بھارت سے ایٹمی تعاون کا معاہدہ کیا۔ پرویز مشرف نے بھی اس کا اظہار کیا کہ ایران نے عالمی ادارے کو بتایا کہ اس نے ٹیکنالوجی پاکستان سے لی ہے، حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ ایران کا یہ جھوٹ بھارتی مشورے پر تھا اور ایران بھارت تعاون کو چھپانے کی خاطر تھا۔ آپ دیکھیں کے اس کے بعد جنوری 2002ء میں ایران صدر علی خاتمی نے دہلی کا دورہ کیا اور وہاں بھارت سے دفاعی معاہدہ کیا۔ اب بھارت کا دفاعی معاہدہ پاکستان کے سوا کس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ اس معاہدے کا فوری اثر دیکھیں کہ ایران نے بلوچستان کے سرحدی علاقوں کے لیے بجلی کی فراہمی کا معاہدہ کینسل کر دیا، حالانکہ پاکستان نے اپنی تنصیبات مکمل کر لی ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے وزیر اعظم جمالی کا دورۂ ایران ملتوی کر دیا۔ اس طرح کے بے شمار اقدامات ہیں جن میں زاہدان اور چہار باغ میں بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے اڈے بہت اہم ہیں۔ جہاں سے پاکستان کے خلاف کاروائیاں کی جاتی ہیں۔

س: چہار باغ کہاں ہے اور ان اڈوں کا کیا مقصد؟

ج: چہار باغ اور زاہدان میں بھارتی قونصل خانے کھولے گئے اور پھر زاہدان کے قونصل خانے کے لیے جو بھارتی فنڈ مختص ہے وہ حیران کن حد تک زیادہ ہے۔ عالمی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے اور پاکستانی اداروں کے پاس اطلاعات ہیں کہ زاہدان اور چہار باغ کے علاقے پاکستان میں دہشت گردی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ خصوصی طور بلوچ لبریشن آرمی کے دہشت گرد چہار باغ کی بندرگاہ استعمال کرتے ہیں۔ چہار باغ گوادر سے صرف 70 کلومیٹر اور پاکستانی سرحد سے 20 کلومیٹر دور ہے۔ ایران کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے کو بند کرے۔

س: ایرانی پاسدارانِ انقلاب کے 13 افراد کی گرفتاری پر آپ کیا کہیں گے؟

ج: پاسدارانِ انقلاب دراصل ایرانی فوج کا نام ہے، جو انقلاب کے بعد رکھا گیا اور ایرانی فوجیوں کی پاکستان میں گھسنے کی یہ پہلی واردات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ وہ لوگ پکڑے گئے، مارے گئے۔ 80ء کی دہائی میں کوئٹہ میں قتل و غارت ہوئی اور موقع سے ایران کمانڈوز پکڑے گئے۔ اس وقت کے وزیر داخلہ نسیم آہیر نے پریس کانفرنس میں اس کا اعتراف کیا اور ان کمانڈوز کو ایران کے حوالے کیا گیا۔ اس کے بعد بھی 2001ء میں ایک واقعہ ہوا کہ پاکستانی فورسز نے کچھ لوگوں کو پاکستان میں گھس کر آگے بڑھنے سے روکا تو انھوں نے فائر کر دیا۔ مقابلے میں 3 لوگ مارے گئے، یہ سب ایرانی کمانڈوز تھے اور یہ مقابلہ پاکستانی سرحد کے 15 کلومیٹر اندر پیش آیا۔ جولائی 2002ء میں 6 ایرانی فوجی پاکستان میں داخل ہوتے ہوئے پکڑے گئے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ پاکستان چونکہ ایران سے تعلقات بگاڑنا نہیں چاہتا اس لیے وہ خاموش ہے اور زیادتیاں برداشت کر رہا ہے جو کہ میرے خیال میں درست عمل نہیں ہے۔

س: سیستان میں دہشت گردی تو ہوئی۔ آپ کے خیال میں یہ کس کی کارستانی ہو سکتی ہے؟

ج: جس طرح سے وہ کہتے ہیں کہ یہ جنداللہ کی کاروائی ہے، یقیناً اس کی ہوگی۔ اس میں شک کی کیا بات ہے۔

س: آپ نے فرمایا ریگی کو پاکستان کی حمایت حاصل ہے نہ وہ پاکستان میں ہے۔ آپ یہ فرمائیں کہ پھر یہ سب کیا ہے؟

ج: اس کی وجوہات ہیں۔ اس دہشت گردی کو سمجھنے کی خاطر وہاں کے حالات کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہاں بہت زیادہ بے چینی ہے، انقلاب سے پہلے بھی تھی، اب بھی ہے۔ سنی اقلیت کو شکایات ہیں کہ ان کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ ان کے خلاف اقدامات ہو رہے ہیں اور دوسرے وہاں انقلاب مخالف شیعہ گروپس بھی ہیں۔ اب تو ان الیکشنوں میں انقلاب پسندوں میں بھی خلفشار بہت کھل کر سامنے آ گیا۔ لہذا یہ دہشت گردی ان میں سے کوئی بھی کر سکتا ہے۔ ویسے یہ کوئی پہلی واردات نہیں ہے، ماضی میں بھی ہوتا آیا ہے مگر اب یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ وارداتیں زیادہ منظم ہو گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ انھیں امریکہ کی مدد حاصل ہو گئی ہو۔ جیسا کہ کہا جا رہا ہے کہ ریگی افغانستان میں ہے، تو یقیناً یہ بات درست ہے۔ امریکہ اس کو اسپورٹ کر رہا ہے، لہذا ایران کو چاہیے کہ پاکستان سے تعلقات بگاڑنے کے بجائے اپنے اندرونی مسائل کو حل کرے اور پاکستان کی انفارمیشن کو استعمال کرے جو وہ اسے ریگی کے بارے میں دے رہا ہے۔

س: گوادر پر بھی ایران کو تحفظات ہیں؟

ج: بالکل ایران اس کا شدید مخالف ہے۔ اس کے علاوہ ایران آپ کے بلوچستان میں معدنیات نکالنے کا شدید مخالف ہے۔ اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ ایران نے گوادر مخالف قوتوں کو وسائل فراہم کیے، بھارت نے ان میں رقوم تقسیم کیں۔ ایران نے حصہ ڈالا اور مزے کی بات یہ ہے کہ اینٹی گوادر پروجیکٹ میں ایران، بھارت اور امریکہ اکٹھے دکھائی دیتے ہیں۔

س: ایران کا امریکہ کے ساتھ جانا نا قابلِ یقین ہے؟ وہ تو حملہ کرنے جا رہا ہے؟

ج: میں پورے یقین سے کہتا ہوں امریکہ ایران پر کبھی حملہ نہیں کرے گا۔

س: اس یقین کا سبب کیا ہے؟

ج: ماضی میں بعض امریکیوں سے ہونے والی گفتگو اور کئی دیگر عوامل جن میں دونوں ملکوں کے مشترکہ مفادات ہیں۔ اب آپ اس پر سوال اٹھائیں گے۔ تو دیکھیں سی آئی اے تسلیم کرتی ہے کہ اگر ایران معلومات فراہم نہ کرتا تو طالبان حکومت کا خاتمہ ناممکن تھا۔ افغانستان کے حوالے سے ایران امریکہ مفادات میں کوئی فرق نہیں۔ بلوچستان پر دونوں کا موقف ایک ہے۔ گوادر پر ان کا ایجنڈا مشترک ہے۔ عرب ممالک کے حوالے سے دونوں کی سوچ میں فرق نہیں بلکہ رابطے بھی موجود ہیں۔

س: امریکہ تو ایرانی ایٹمی اسلحے کا دشمن ہے؟

ج: آپ ذرا اس کو ٹھنڈے دماغ سے سوچیں، امریکہ ایرانی ایٹم بم کا کیسا استعمال کر رہا ہے۔ دراصل یہ خوف ہے عرب ریاستوں اور سعودی عرب کے لیے۔ اگر آج ایرانی بم کا شور ختم ہو جائے اور یقین ہو جائے کہ اس کے پاس کچھ نہیں تو سعودی عرب امریکی چنگل سے نکل جائے گا۔ عربوں کو دبا کر رکھنے اور ان کے وسائل نچوڑنے کے لیے امریکہ کو ایرانی ایٹم بم کا ہوّا کھڑا کرنے کی ضرورت ہے۔ لہذا وہ حملہ نہیں کرے گا۔ البتہ ایرانی خطرے کو بڑھا کر ضرور پیش کیا جا سکتا ہے۔ عین ممکن ہے اسرائیل کوئی میزائل یا ایئر اٹیک مختصر سا کرے اور پھر امریکہ اعلان کر دے کہ ایٹمی ہتھیار اب بھی موجود ہیں۔ یہ سارا پروپیگنڈہ عربوں کو ڈرانے کی خاطر ہے اور کوئی مقصد نہیں۔ آپ یوں سمجھیں کہ صدام کی وہ خیالی توپ ہے جس کا بہت شہرہ تھا کہ بغداد سے چلے تو گولے تل ابیب میں گریں گے۔ یہ بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔

(روزنامہ امت، کراچی/ بدھ 28 اکتوبر، 2009)

# حضرت فتویٰ دیجیے!

محمد اسلم احمدانی

ہمارے وطن پاکستان کے جو بھی حکمران آتے ہیں ان کا سب سے پہلے ہدفِ تنقید مدارس، مساجد اور علماء کرام ہوتے ہیں۔ امریکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حدود اللہ تک توڑ بیٹھتے ہیں۔ مدارس کو دہشت گردوں کی فیکٹریاں کہنے تک نہیں شرماتے لیکن اب انھیں غیروں کی جنگ لڑتے ہوئے جب پانی سر سے گزر جانے کے احساس نے آلیا ہے تو اب ہمارے وفاقی وزیرِ داخلہ ہانپتے کانپتے بوریا اور چٹائی نشینوں کے قدموں میں آ کر بیٹھ گئے کہ ''حضرت آپ فتویٰ دیجیے، حضرت آپ فتویٰ دیجیے کہ خودکش حملے حرام ہیں''۔ ملک صاحب! کاش یہ احساس آپ کو پہلے ہوتا اور فتویٰ مشرف پالیسیوں کو جاری رکھنے سے پہلے لیتے تو قوم و ملک کو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے، ہمارے حکمرانوں کو یہ احساس تب ہوتا ہے جب چڑیاں کھیت چگ جاتی ہیں۔ کاش وہ اپنے افغانی مسلمان بھائیوں کے مقابلے میں امریکہ کی مدد کرنے سے پہلے فتویٰ لیتے۔ تم جامعہ حفصہ لال مسجد کے طلبہ و طالبات کا خون اپنے اوپر حلال کرنے سے پہلے فتویٰ مانگتے، تم قبائلیوں کے گھروں کو آگ لگانے سے پہلے دارالافتاء کا رخ کرتے، تم صلیبیوں کی جنگ کو اپنی جنگ کہنے سے پہلے فتویٰ لیتے، تم اپنے ہی بے گناہ لوگوں کو امریکہ کے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی طرح بیچنے سے پہلے کوئی فتویٰ لیتے، تم نے بے گناہ لوگوں کو غائب کیا، ٹارچر سیلوں میں تشدد کر کے قتل کیا اس وقت کاش تم فتویٰ کی اہمیت کو سمجھتے۔ اے کاش تم سوچتے سمجھتے علماء سے، عوام سے رائے لیتے۔ تمھارے غلط فیصلوں اور غلط خارجہ پالیسی کا نتیجہ ہے جو خودکش حملوں کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ تمھیں ڈرون حملوں کی اجازت دینے سے پہلے دارالافتاء کیوں نظر نہیں آئے۔ تم نے عافیہ صدیقی کو امریکہ کے حوالے کرتے وقت کیوں نہ فتویٰ مانگا، تم لوگوں نے اپنے بھائیوں کے گھروں کو اجاڑ دیا، تم نے ڈرون حملے کروا کر اپنے ہی بھائیوں کے گھروں کو ملیا میٹ کر دیا ان کے اعضاء فضاؤں میں بکھر گئے۔ ان کے معصوم بچے، عورتیں، مائیں، بہنیں آگ میں جل گئیں۔ ان کی چیخ پکار کو تم میڈیا تک نہیں آنے دیتے، تم نے بڑا ظلم کیا ہے۔ جن کے گھر تباہ ہو گئے، جن کے بچے یتیم ہو گئے، جن کی بیویاں بیوہ ہو گئیں، جن پر آج تک امریکہ ڈرون آگ برسا رہا ہے، جن کو تم زمین پر گولیوں سے بھون رہے ہو، جو وطن میں بے وطن ہو گئے، جن کا کچھ نہ بچا۔ عزیز و اقارب صلیبی ڈرون حملوں اور تمھاری گولیوں کا شکار ہو گئے۔ ذرا سوچو، غور کرو، وہ نہیں مانتے کسی فتویٰ کو، ان پر دارالعلوم کا فتویٰ اثر نہیں کرے گا۔ وہ خیر المدارس کا فتویٰ نہیں مانتے، وہ جامعہ بنوریہ یا کسی مفتی دارالافتاء کے فتویٰ کے قائل نہیں ہو سکتے، جو آگ تم لوگوں نے امریکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لگائی ہے وہ اب کسی مفتی یا دارالافتاء کے فتویٰ سے نہیں بجھ سکتی۔ ملک صاحب! اب یہ آگ بجھانے کے لیے تمھیں اپنی پالیسی تبدیل کرنا پڑے گی۔ اب تمھیں اللہ کے حضور توبہ کرنی پڑے گی، تمھیں عوام سے معافی مانگنی پڑے گی، تمھیں اس صلیبی جنگ کو اپنی جنگ کہنے سے باز آنا پڑے گا، تمھیں قبائلیوں سے مذاکرات کر کے وہاں سے افواج کو واپس بلانا پڑے گا۔ تمھیں بلیک واٹر اور ان جیسی بدنامِ زمانہ تنظیموں کو ملک سے بھگانا پڑے گا، اپنے ہوائی اڈے اور بحری سہولتیں امریکیوں سے واپس لینی پڑیں گی، اپنے ملک سے صلیبیوں کو لاجسٹک سپورٹ ختم کرنی پڑے گی، تب جا کر ملک میں امن قائم ہو گا اور فتوے اثر انداز ہوں گے۔ واپس لوٹ آؤ، سوچو غور کرو اے میرے وطن کے وقتی حکمرانو! جب یہ سب کچھ کر لو گے تب تمھیں کسی فتویٰ کی ضرورت نہیں پڑے گی، تب تمھیں کسی دارالافتاء میں جا کر یہ نہیں کہنا پڑے گا کہ ''حضرت فتویٰ دیجیے''۔

(بشکریہ ہفت روزہ القلم)